علمی روزنامچہ

ماحول اور اس کی درستگی

۳۰ ستمبر ۱۹۳۹ء از جناب حکیم سید ابوالنظر صاحب رضوی امروہی

کئی اصحاب نے علمی روزنامچہ کا وہ مطبوعہ عنوان دیکھ کر جو "جذبات اور ماحول" پر سپرد قلم کیا گیا تھا مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ میں ماحول کی درستگی کے امکانات پر بھی روشنی ڈالوں کیونکہ بصورتِ دیگر مضمون کا افادی پہلو مجروح ہو کر رہ جائیگا۔ حالانکہ میں نے ماحول کے ذہنی تصور کی عکاسی بڑی حد تک کر دی تھی اور پھر کتابِ الٰہی نے ماحول کو درست کرنے کی جو تدبیر اختیار کی اُس کو بھی واضح کر دیا تھا جس سے ماحول اور اُس کی تدابیرِ اصلاح دونوں روشنی میں آجاتی تھیں مگر شاید موضوع کی اہمیت جس تحلیل و تجزیہ اور قوتِ فکریہ صرف کرنے کا مطالبہ کر رہی تھی وہ تشنۂ تکمیل ہی رہ گئی اور اس لیے میرے خیالات نے بجائے نفسیاتی کشمکش دور کرنے کے دماغی الجھن میں مبتلا کر دیا دوسرے یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہمارے فلاسفہ، علما اور ہماری ملت کے پیکرانِ فکر و عمل نے ماحولی اثراندازیوں اور اثر پذیریوں کے اسباب و نتائج پر تحقیقی نقطۂ نظر سے مستقل طور پر کوئی چیز بحث و گفتگو کے دائرے میں لانے کا تصور ہی نہیں کیا اور اگر کیا ہے تو میری معلومات کی کم مائیگی نے اجازت مطالعہ نہیں دی۔ بنا بریں میرے نزدیک بھی اس خاص پہلو کا لحاظ رکھتے ہوئے ماحول اور اُس کی درستگی پر قلم اُٹھانا ضروری ہوگیا۔

ماحول کوئی جزئی اور انفرادی حقیقت نہیں اور اس لیے میرے نزدیک محدود انفراد سعی وجہد کی کامیابی کو ممکنات اور عملی ممکنات سے اُس لمحہ تک شمار نہیں کیا جا سکتا جب ت کہ پیغام حیات دینے والے کے ملکات وقویٰ، روحانی یا سیاسی قوتِ نافذہ نہ رکھتے ہوں ک شخص کو اپنی جگہ ماحول درست کرنے کی کوشش میں کامیابی کی اُمید نہ رکھنا چاہیے۔ ماحو ایک اجتماعی حقیقت ہے اور اُس پر وہ ہی قوت اثر انداز ہو سکتی ہے جو ہیئت اجتماعیہ میں انق تغیر کر سکتی ہو۔

فطرت اور اُس کا قانون اتنا ظالمانہ، تشدد آمیز اور خون آشام نہیں ہو سکتا تھا اجتماعِ انسانی کو ایک ایسے گردوپیش میں قید کر دے جس سے باہر ہو سکنے کی کوئی تدبیر قولے انسانیہ کو سپرد نہ کی گئی ہو۔ چنانچہ اگر ایک طرف قدرت نے ارتقائے انسانی کو ماحول کا غلام دیا، تو دوسری طرف ماحول میں یکسر انقلاب پیدا کر کے ہیئت اجتماعیہ کو درست کر سکنے والی قو بھی کائنات انسانی کو ودیعت کر دی تاکہ فطرت کے قانون پر الزام عائد کرنے کے بجائے انسا علم وبصیرت کو اپنی ہی حماقتوں، کمزوریوں اور فقدانِ احساس وشعور کا ماتم کرنے کے لیے تنہ چھوڑ دیا جا سکے۔ حیاتِ اجتماعی میں انقلاب وتغیر کا موج در موج طوفان پیدا کرنے والی قو جسے قدرت کا بہترین عطیہ کہنا چاہیے قوتِ متخیلہ اور ارادیہ کے سوائے کوئی نہیں۔ قوتِ متخیلہ وہ حقیقت ہے جس نے انسان کے دل میں خدا ہو سکنے کا گمان پیدا کیا۔ یہ ہی وہ قوت ہے جس سے رُشد وہدایت کے دریا بہائے۔ کفر وطغیان کی آگ برسائی اور زمین وآسمان کی ہر قوت کو مسـ کرنے کا دعویٰ کیا۔ اگر تاریخ کے کسی دور میں قوتِ متخیلہ کے سیلاب نے غلط راستہ اختیار کیا تو ہلاکتوں، تباہ کاریوں اور عذاباتِ الٰہی کا نمونہ ہو کر رہ گئی۔ اور اگر کبھی اُس نے شاہراہِ ترقی انتخاب کیا تو خاکدانِ مجازی کا ہر ذرہ چمک بھی اُٹھا ہے۔

ہیئت اجتماعی کا ماحول دراصل اُس کی تخئیلی قوتوں کے ایک خاص نہج کے ساتھ اثر اندازی اور اثر پذیر ہونے ہی کا دوسرا نام ہے جب اجتماعی تخئیل کی کہربائی لہریں فضا کے ہر گوشے کو محیط ہو جاتی ہیں تو انفرادی تخئیل کے لیے سانس لینے کی بھی جگہ باقی نہیں رہتی، اُس کی ہر نگاہ، ہر جنبشِ مژہ اور ہر کشادگیٔ کام و دہن ماحول کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ ماحول ہی کے حکم سے بولتا، دیکھتا اور سوچتا ہے۔ ماحول یا تخئیلی قوتوں کا دباؤ اگرچہ بظاہر کرۂ ہوا کی گرانیوں کے مماثل محسوس نہیں ہوتا لیکن دل و دماغ اور جسم و روح کی کوئی استعداد اور قوت ایسی نہیں ہوتی جو اُس کے ثقل اور گرانی سے چیخ نہ رہی ہو جس طرح فضا میں زہر آلود غازات (زہریلی گیسیں) بھر جانے پر ایک سانس لے سکنے کی جرأت بھی مفقود ہو جاتی ہے ایسے ہی لطیف ترین تخئیلی "غازات" کا رنگ ہے، اگر کوئی شخص چاہے کہ ماحول سے باہر آ کر کچھ دیکھے، سمجھے اور کرے تو وہ ایسا نہیں کر سکتا، ماحول کی کرشمہ سازیاں اُس کا جادو اور اس کا مسمریزم ہی اپنے اشاروں پر دنیا کو رقص کراتا ہے لیکن دنیا نہیں سمجھ سکتی کہ وہ اپنے محاسن اور قبائح کے ساتھ ماحول کے ہاتھوں میں ایک بے جان نعش سے زیادہ کچھ نہیں۔

یہ ماحول کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ صوفیہ کے نزدیک اس کا جواب یہ ہو گا کہ ہر ہزار سالہ قرن، ہر صدی، ہر سال اور ہر صبح و شام کے لیے قدرت ایک نظامِ عمل، ایک انقلاب اور ایک "قوتِ تمثیلیہ نافذہ" ودیعت کرتی ہے اور اُسی کے تحت سب کچھ ہوتا ہے۔ تقدیرِ الٰہی، خطوطِ پیمانۂ حیات، اور حدود و قویٰ کی تعیین جو چاہے نام رکھ لیجیے بات ایک ہی رہیگی۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنی قابلِ صد احترام تصانیف میں اس پہلو پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور شاید اس دنیا میں ہر دوسرے روحانی مبلغ سے زیادہ اُنھوں نے اس علوی نظریہ کو ایک علمی حقیقت کی بلند پائیگی تک پہنچا دیا۔ اور اس سادگی و پُرکاری کے ساتھ کہ تحسین و ستائش کی گذرگاہ بھی

منزلوں پیچھے رہ گئی۔

شاہ صاحبؒ قوانینِ فطرت کے عوامل کا انکار نہیں کرتے، نہ اُن کا مدعا ہماری مادی تحقیقات سے اختلاف و انکار کرنا ہے بلکہ وہ عوامل فطرت پر اقتدار رکھنے اور کنٹرول کرنے والی ملکوتی قوتوں کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ دنیا کی نگاہ ماحول سے بلند تر اُٹھ سکنے کی تاب و تواں سے تہی دامن نہ ہو جائے۔ اگرچہ میرے ضمیر کو اُن کے تفصیلی بیانات سے ذاتی تجربات کی روشنی میں طمانیت و سکون کی دولت نصیب ہو چکی ہے۔ مگر باوجود اس کے میں کسی شخص کو دعوتِ رد و قبول نہیں دیتا۔ جب تک کسی چیز کے تمام پہلوؤں کو اتنا واضح نہ کر دیا جائے کہ قوائے فکر و شعور دلچسپی لے سکتے ہوں اُس کو تسلیم کرانے کے لیے اصرار کرنا بے راہ روی ہوگی بہرکیف ماحول خواہ مِلَلِ سماوی سے نمائش گاہِ حیات کی رونق ہوتا ہو یا خود نفس انسانی کی تخیلی قوتیں اُس کو وجود پذیر کرتی ہوں، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک ہمہ گیر "لطیف اور تخیلی مقناطیسیت" ہے جس کی سحر آفرینیوں کو خدا کے بعد اگر کوئی قوت شکست دے سکتی ہے تو وہ متخیلہ کی بے پناہ فطرت انقلاب۔ ورنہ اس کا جواب قدرت نے کوئی دوسرا پیدا نہیں کیا۔

مغربی تمدن کی مادہ پرستی نے علوم طبیعی کی اہمیت کے نقوش کچھ اس طرح دل و دماغ پر ثبت کر دیے ہیں کہ روحانی یا لطیف ترین مادیت لیے ہوئے حقائق و علوم کا وقار جذب کر سکنا مشکل ہو گیا۔ کون نہیں جانتا کہ اس بتکدۂ مجاز میں ہر لطیف قوت کثیف قوت سے زیادہ استعداد رکھتی ہے۔ خاک، آب، ہوا، آتش، غازات، برق، ریڈیم کی شعاعیں۔ پھر اس سے بھی لطیف تر ہوتی جانے والی گوناگوں مقناطیسی، نافذ تر، اور جاذب شعاعیں، مسمریزم، روحانی علاج، جادو استدراج (جوگیوں کی روحانی قوتیں) کرامات خوارق اور معجزات میں سے ہر ایک دوسرے کی بہ نسبت لطیف تر ہونے کی بنا پر قوی ہوتی گئی ہے لیکن باوجود ان شہادتوں کے غیر محسوس اور لطیف ترین حقائق کے

اثر و نفوذ، وسعت و ہمہ گیری اور جذب و فاعلیت سے انکار کیا جا رہا ہے یا کم از کم تذبذب ہیں تو علمی دنیا کی تقریباً زبردست اکثریت گرفتار ہے۔ یورپ و امریکہ نے قوتِ متخیلہ کی فاعلیت ثابت کرنے کے لیے جو لٹریچر فراہم کیا ہے وہ اس بات کا یقین دلانے کے واسطے کافی ہے کہ نمرود اور فرعون نہ صرف شہنشاہیت بلکہ قوتِ متخیلہ کے بھروسہ پر بھی خدائی کا دعویٰ کر سکتے تھے۔ اور واقعی اُنہوں نے اس قوت کو حاصل کرنے کے لیے ازمنۂ قدیمہ میں تمام ذرائع کو صرف کر دیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ دنیا میں وہ کونسی قوم یا کونسا مذہب اور کونسا تمدن گذرا ہے جس نے قوتِ متخیلہ کو خدا کے بعد سب سے بڑا خدا نہ سمجھا ہو۔ رُہبانیتِ ہند کی قدیم تاریخ تک میری گواہی دے سکتی ہے۔ حق و باطل کے امتیازِ باہمی میں اگر کوئی حقیقت ہمیشہ اشتباہ، ابہام اور تشابہ پیدا کرتی رہی، تو وہ قوتِ متخیلہ کی ساحری اور اُس ہی کے کرشمے تھے اور بس۔ کیا زندگی کی محبت اور موت کا خوف، قوت اور اضمحلالِ تخییل کے سوا کچھ اور ہے۔ زندگی سے محبت کرنے والا ہی موت پر جان دیتا ہے اور موت سے ڈرنے والا ہی زندگی کو ایک لمحہ کے لیے گوارا نہیں کرتا۔ یہ کیا ہے؟ تخییل کا دھوکا اور اُس کا ایک سراپا جھوٹ لہذا جب تخییل کی انقلابی قوتوں کا آپ کو ایک حد تک اندازہ ہو گیا تو مجھے یہ کہنے کا حق دیجیے کہ ماحول کو اگر تبدیل کیا جا سکتا ہے تو قوتِ متخیلہ ہی کے وسیلہ سے کیونکہ تخییلی قوت کو تخییلی قوت ہی شکست کر سکتی ہے اگر وہ پہلی قوت سے زیادہ قوت رکھتی ہو۔ ورنہ ہر دوسری قوت اُس سے کمزور، ہر بلندی اُس کے مقابلہ پر پستی، اور ہر روشنی اُس کے سامنے تاریکی ہے۔

ماحول اور اس کی تخییلی مقناطیسیت میں وہ تمام گوناگوں پہلو پائے جاتے ہیں جنہیں تخییلی تنوع سے نسبت دی جا سکتی ہو۔ چنانچہ جس طرح تخییل، کلی اور جزئی، موروثی اور اختراعی، مذہبی اور سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی، ملکی اور منزلی، لسانی اور عمرانی، داخلی اور خارجی وغیرہ صد ہا قسم کی ہو سکتی ہے۔ اس ہی طرح ماحول کسی ایک ہی نوع کا نہیں ہوتا۔ اُس کی بھی اتنی ہی انواع و اقسام

ہیں مبنی کہ تخییل، تصوریت اور ارادہ کی۔ قوتِ متخیلہ اور ماحول اگر دو علحدہ علحدہ نوعیت کے حقائق ہوتے تو کوئی نہ کوئی فرق و امتیاز ضرور باقی رہتا۔ حالانکہ ہر اعتبار سے دونوں میں یگانگت ہے اور مستقل یگانگت۔ تخییل کی کہربائی امواج بھی طوفان کی طرح فضاؤں پر چھا جاتی ہیں اور ماحول کی مقناطیسیت بھی۔ لہذا اگر یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ قوتِ متخیلہ اجتماعی تخییل کے ہر انداز کو تبدیل کر سکتی ہے۔ تو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ قوت متخیلہ کے لیے ماحول میں انقلاب کر دینا بھی ناممکن نہیں۔ کیونکہ اجتماعی تخییل اور ماحول ایک ہی تصویر کے دو رُخ اور ایک ہی مثلث کے دو زاویے ہیں۔

قوتِ متخیلہ اُن ماحولی مؤثرات کا جو اجتماعی یا انفرادی ارتقار کے لیے رُکاوٹ ثابت ہوتے ہوں، دو طرح مقابلہ کر سکتی ہے۔ ہجوم سے اور دفاع سے۔ اور جنگ کے یہ ہی دو طریقے تھے مدافعت یا جارحانہ حملہ۔ جارحانہ حملہ تخریب، شکستگی اور انقلاب کا بہترین ہتھیار رہے لیکن اگر حملہ کی ہمت اور اُس کے مناسب مواقع نہ ہوں تو اجتماعی تخییل کو، ماحول کے مقناطیسی شرارِ ل سے بالاتر کر دینا ہی مدافعت کی پہلی اور آخری تدبیر ہو سکتی ہے۔ تاکہ دشمن کی تباہ کن آتشباریوں سے بھی آپ کی فوج محفوظ رہ سکے۔ اور آپ جارحانہ حملہ کی طاقت بھی فراہم کر سکیں۔

ماحول اپنے دائرۂ اثر میں قوتِ متخیلہ کو مرکزیت حاصل کرنے کا موقعہ نہیں دیتا اور یہی وہ کمزور پہلو ہے جس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ماحول کائناتِ انسانی پر ترقی کا ہر دروازہ بند اور قوتِ متخیلہ کی فتح و تسخیر کے تمام ذرائع محدود کر سکتا تھا۔ اگر تخییلی مرکزیت، اعلیٰ وحدت اور تصویر جبات کا نقطۂ شعاعی (فوکس) قائم کرنے کے مواقع میسر آجائیں تو ماحول کی پست طاقتوں، اندھیریوں اور گمراہیوں کا مقابلہ آسان ہو جائیگا۔ پیغمبر اسلام نے بھی ریگستانِ عرب کے تاریک ماحول کو شکست کرنے کے لیے سب سے پہلے توحید کا پیغام دیا تھا اور مادی ماحول سے بالاتر حقائق کا درس۔ جب اجتماعی تخییل وحدانی مرکزیت میں جذب ہو گئی تو ماحول پر براہِ راست عملِ جراحی

لیا گیا۔

میں اپنے علم وبصیرت پر اعتماد رکھتے ہوئے کہہ سکتا ہوں کہ قرآن پاک کا یہ دعویٰ

لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ جو قوم خود اپنے قوائے نفسی میں انقلاب پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے خدا بھی اسکی حالت نہیں بدلتا۔

اُس ہی معنویت، اُس ہی روحانی تعلیم اور اُس ہی درسِ عمل کو دل ودماغ میں پیوست کر لینے کی طرف اشارہ کر رہا ہے جس کی طرف میں دعوت دے رہا ہوں عقل ووجدان کے اضمحلال میں جب تک انقلاب وبیداری کے تاثرات نمودار نہ ہوں، ادراک، احساس اور علم کا مدوجزر جہتابی شعل کو تبدیل نہ کردے اور قوتِ متخیلہ کا سیلاب کسی دوسرے رُخ پر بہنے نہ لگے۔ کوئی قوم انحطاط وتنزل کے خارزار سے ہمالۂ ارتقار کی سرسبز وادیوں اور فلک بوس چوٹیوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ قدرت نے ہیئت اجتماعی کی سرشت میں جن قوتوں کو ودیعت کیا ہے جب تک انقلاب وتغیر کے راستے سے اُن کو برسرِعمل نہ لایا جائیگا شخصی اور انفرادی جدوجہد کسی نتیجہ تک نہیں پہنچا سکتی۔ زمانۂ انحطاط کی جتنی یادگاریں گردوپیش میں پائی جاتی ہوں سب کو مٹا دینا چاہیے تاکہ زمانہ اپنا سادہ ورق اُلٹ سکے اور یہ اہم ترین عملیت ہیئت اجتماعیہ کی محتاج ہے اور ہمیشہ محتاج رہیگی۔ ہوسکتا ہے کہ ایک ہی شخص ہیئت اجتماعیہ کو بیدار کردے لیکن بغیر ہیئت اجتماعیہ کی بیداری اور عمل کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ جیسے کہ پیغمبرِ عرب نے تنہا ہونے کے باوجود جزیرۂ عرب ہی کے روز وشب سے نئی صبح اور نئی شام پیدا کی۔ اس ہی لیے قرآن نے اجتماعی انقلاب کی دعوت دی جس کا لازمی نتیجہ تغیر وارتقائے قوم ہی ہوا کرتا ہے۔ انقلاب ذہنی بھی ہوتا ہے اور عملی بھی آغاز ہمیشہ ذہنی انقلاب سے ہوگا اور انجام ہمیشہ عملی اور حسی انقلاب پر۔

اب ہمیں غور کرنا چاہیے کہ دوگونہ انقلاب کی بنیادیں کیونکر استوار کیجا سکتی ہیں اور ماحول

سے جنگ کا آغاز مدافعت سے کرنا چاہیے یا قلب پر براہ راست حملہ سے۔ میرے نزدیک پہلے مدافعت ہونی چاہیے جس کے بہتر پہلو حسب ذیل ہوسکتے ہیں اور اُس کے بعد حملہ اور ہجوم۔

دعوت و تبلیغ | اُس مذہب کی دعوت و تبلیغ جو فطرتِ انسانی کے ہر پہلو، ہر گوشہ اور ہر قوت وضعف سے مکمل ترین واقفیت رکھتا ہو تاکہ سعیٔ اصلاح نہ صرف رائیگاں بلکہ حیاتِ انسانی کے دوسرے پہلوؤں کے لیے خطرناک نتائج کا باعث نہ ہوسکے انسانی زندگی کا راستہ ایسی پُر پیچ وادیوں سے ہوکر گذرتا ہے کہ کسی انسان کو اپنے علم و تجربہ کے سایہ میں خضرِ راہ ہونے کا دعویٰ کرنے کی اجازت نہیں دیجا سکتی۔ زندگی کا ہر پہلو، شعوری ہو یا نفسیاتی، اخلاقی ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا اقتصادی، ایک مستقل کائنات ہے جس کے ہر ذرہ، ہر سالمہ اور ہر برق پارہ کا نظامِ حیات و بقا کسی شخص کے علم و اطلاع میں مکمل طور پر نہیں آسکتا۔ حوادث کے اسباب و نتائج کا درست اندازہ کرنے میں انسانی شعور و تجربہ نے ہمیشہ ٹھوکر کھائی ہے۔ کیونکہ اس کی فطری صلاحیت یہاں تک ارتقاء پذیرفتہ ہونے کو ممکن نہیں قرار دیتی کہ ہر ماحول کے مؤثرات اور اُن کے دوررس نتائج کا صحیح اندازہ کرسکے۔ تاریخ انسانیت کا ہر انقلاب، صبح و شام کی ہر کروٹ اور شعور و وجدان کا ہر ادراک و احساس بتا رہا ہے کہ انسانی استعداد خود اپنی فطرت سے اس حد تک آشنا نہیں کہ تارِ حیات چھیڑنے پر اُس نغماتی زیر و بم کا اندازہ کرسکے جو فضا کو ترنم سے لبریز کرنے والا ہے۔ وہ نہیں جانتی کہ تارِ حیات کے نغمے کائناتِ انسانیت کے جواہر فردہ اور اُس کے ثوابت و سیارگان کے لیے لذت و کامرانی کی جنت خرید رہے ہیں یا تلخ کامیوں سے بھری ہوئی دوزخ حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کے پیچھے حماقتیں ہیں اور آگے ٹھوکریں۔ وہ نہ ماحول کو آئینِ ارتقاء کے سانچہ میں ہمیشہ کے لیے ڈھال سکتا ہے نہ خیر کو شر سے، لذت کو الم سے اور فتح کو شکست سے تمیز دے سکنا اُس کے لیے آسان: وہ سب کچھ دیکھتا ہے مگر اُس کی نگاہوں کو ایک

حقیقت بھی مس نہیں کرتی۔ اس لیے ضرورت تھی کہ فطرت کے آئین سازی کے پیغامات والہامات کی روشنی میں شاہراہِ حیات متعین کر سکنے کے لیے دعوت و تبلیغ کا محاذ قائم کیا جائے تاکہ حیاتِ اجتماعی کا طورِ معنی شعلہائے ملکوت سے جگمگا اُٹھے اور وہ اخلاقی اضمحلالات اور عملی کمزوریاں جنہوں نے حیاتِ اجتماعی کو تاریک کر کے ہر انفرادی استعداد تباہ کر دی تھی کم از کم اس حد تک دور ہو جائیں کہ ہر شخص نشو و نما کی سہولتیں جذب کر سکے۔

قوتِ متخیلہ کے قانونِ حیات و مرگ سے احساس ذہنی کا پروردگار جہاں تک آشنا ہو سکتا ہے اُس کا کسی دوسری شخصیت کے لیے امکان بھی فرض نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا عقل و تجربہ کی جگہ الہام و وحی اور پیغامِ ربانی کو مشعلِ راہ بنانا ہی ارتقاءِ شعوری کا بہترین ثبوت ہو سکتا ہے۔ میں نے اپنی جگہ پر جہاں تک تنقیدی نگاہ سے قرآنی تعلیمات کا مطالعہ کیا میرے اس اذعان و یقین میں مسلسل اضافہ ہی ہوتا رہا کہ اگر اسلامی صداقتوں کو رجحاناتِ طبع کی آلودگیوں سے پاک ہو کر دنیا کے سامنے بار بار پیش کیا جاتا رہے تو انسانی فطرت کا تقاضائے طمانیت بغیر متاثر ہوئے نہیں رہ سکتا۔ حقائق کو جب کبھی حقائق کی سادگی، معنویت اور جاذبیت کے ساتھ عالمِ انسانی کے روبرو رکھا جائیگا وہ احساس و تاثر کے تحت زندگی کو اُس راہ پر لانے کے لیے فطرۃً اپنے آپ کو مجبور پائیگا۔ انسان کو اپنے محدود شعور اور نامکمل تجربہ کا احساس اتنا شدید ہے کہ خواہ کتنا ہی اس راز کو نگاہوں سے اوجھل رکھنے کی کوشش کی جائے ضمیرِ انسانی اعتراف سے گریز نہیں کر سکتا۔ وہ جانتا ہے کہ میرے اندر کمزوریاں ہیں اور جب تک یہ زندہ رہینگی ماحول کے ہر پہلو کو بیداری، پاکیزگی اور عمل کی برقاطیسی قوتوں سے معمور نہیں کیا جا سکتا۔ علمی اور تجربی تحقیقات کا دائرہ خواہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو جائے ہر مرحلہ اور ہر قدم پر تسلیم کرنا پڑیگا کہ ہنوز دلی دور

۱؎ ایمان بالغیب کا نکتۂ آغاز یہی ہے۔ ابو النظر رضوی۔

است" اور اس لیے اُس کی فطرت حقائق کے لیے اپنے ریشہ ریشہ میں ایک ایسی تشنگی رکھتی ہے جس کو نہ کوئی فلسفیانہ مغالطہ دور کرسکتا ہے، نہ ارتقائے روحانی کی نامکمل ترجمانیاں بلکہ اس پیاس کو صرف پیغاماتِ ربانی کی وہ بارش ہی بجھا سکتی ہے جس سے خود اُس کی فطرت غیر محسوس کشش رکھتی ہو۔ ایسی حالت میں ماحول درست کرنے کا جذبہ رکھتے ہوئے ہمارا پہلا فرض ہوگا کہ قانونِ فطرت کی باریکیوں، زندگی کے حقائق، ارتقاء کے ذرائع اور عملی موثرات کا درس، مذہب کی روشنی میں اس سادہ، دلکش اور شگفتہ انداز میں دیا جائے کہ کام و دہن شیرینی سے لذت اندوز ہوتے رہیں اور ضمیر شرابِ معرفت سے حیاتِ اجتماعی کو ماحول سے بالاتر اُٹھانے اور اُس کی آرزوؤں کو پائندہ بیداری سے تابناک بناسکنے کی راہ یہی ہے اور صرف یہی لیکن مذہب بھی وہ ہونا چاہیے جس کا ہر نکتہ الہامی، ہر انداز ملکوتی اور ہر سبق علم الٰہی سے بلاواسطہ ماخوذ ہو۔ جس شخص کا نہ علم محدود ہو نہ ضمیر مردہ۔ وہ اس چیز کا بہت جلد فیصلہ کرلیگا کہ ایسا مذہب پیغمبرِ عرب کے قانونِ اسلام کے سوا کوئی دوسرا ہوسکتا ہے یا نہیں۔

مجاہدۂ نفس دعوت و تبلیغ اگرچہ خود اپنی جگہ ایک بہترین چیز ہے مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ تبلیغ جس کا "دشنۂ پنہاں" دل و جگر میں پیوست ہوجاتا ہو بغیر ریاضت و مجاہدہ، بغیر تزکیۂ باطن، بغیر "موتوا قبل ان تموتوا" کی تصویر ہوئے اور بغیر سلبی اخلاق جذب کیے جن کی غایت ایجابی اخلاقیات کو زندہ و پائندہ کرنا ہو جس کو بالفاظ دیگر انابت و خودی کے لیے بیخودی کی تلاش بھی کہہ سکتے ہیں، کبھی انسانی دسترس میں نہیں آسکتا۔ دلِ بیدرد سے نالۂ بے اثر ہی کی اُمید کی جاسکتی ہے۔ جس آواز، جس دعوت و مطالبہ اور جس حرکت و عمل میں پاکیزہ ترین تخیلی مقناطیسیت نہ ہو وہ سراب اور نقش برآب ہے یا ایک فلمی تصویر۔ خواب کی دنیا کتنی ہی دلچسپ یا وحشتناک ہو بیداری کی ایک کروٹ اُسے موہوم بنا سکتی ہے، تبلیغ کی روح، فضا میں گونج سکنے والی چند آوازیں

نہیں۔ بلکہ تنویراتِ باطن کا جذب و انجذاب ہے۔ ملکوتی تخیل کی مقناطیسیت۔ شعور و احساس کو تابندہ، عمل کو پائندہ اور گفتگو کے لہجے، بلکہ جنبشِ لب و مژگاں تک میں ایک بے پایاں لذت، ایک بے پناہ کشش اور ایک ایسا شعلۂ حیات بھڑکا دیتی ہے جو ہر دیکھنے والے اور صحبتِ چند لمحہ اختیار کرنے والے کی زندگی یکسر بدل سکتا ہو۔ روحانی انسان کی نگاہوں سے خدا کا نور ٹپکتا ہے، اُس کی آواز میں ہیبت و رحمتِ الٰہی کے بادل گرجتے ہیں، اُس کی رگ رگ سے کوثر و زمزم کے دھارے بہتے ہیں، اُس کے وعظ و پند میں حور و غلمان کا تبسم رقص کرتا ہے، اُس کی دعوت و تبلیغ میں آمرانہ طاقت ہوتی ہے اور اُس کے ہر قدم میں انقلاب و تغیر کا آتشیں سیلاب۔

دنیا نے یہ مناظر بارہا دیکھے ہیں۔ امام غزالی، محی الدین ابن عربی، شاہ عبدالقادر جیلانی، معین الدین چشتی، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، سید احمد شہید، شاہ اسمٰعیل، مہدی سوڈانی، محمد بن عبداللہ اندلسی، امام سنوسی اور شیخ الہند کا ہر نقشِ قدم اور ہر جنبشِ نگاہ آج بھی جریدۂ عالم پر ثبت ہے۔ ان پاکبازوں نے ذہنی اور عملی انقلاب کی بنیادیں استوار کرسکنے کے لیے ماحول سے مسلسل جنگ کی، حقائق روحانیہ کے وہ نازک ترین رازہائے درونِ پردہ بتلائے جو زندگی کی معنویت محسوس کر سکتے تھے اور پھر ماحول کو مختلف محاذوں پر شکست دینے میں کامیاب ہوئے۔ کیونکہ اُن کی تبلیغ و ہدایت کا جغرافیہ کام و دہن ہی کے اندر محدود نہ تھا بلکہ روح کی وسعتیں اور عالمِ ملکوت کی پہنائیاں بھی اُس کے دائرہ اثر میں داخل تھیں۔ تبلیغ جب کبھی مجاہدۂ نفس کے روشن، مخمور اور خشک سایہ میں یکجائی گی نتیجہ میں کبھی ناکامی کی ٹھوکروں سے واسطہ نہیں پڑسکتا۔ فلسفۂ[1] قدیم، علم تصوف اور جدید علم روحانیات (جس میں قوت متخیلہ کی اثراندازیوں کے انکشافات بھی شامل ہیں) میں بھی یہ حقیقت پایۂ ثبوت کو

---

[1] چنانچہ حکیم دیاس، ارسطا طالیس، افلاطونِ الٰہی، حتیٰ کہ فارابی بھی اس کا قائل تھا۔ سید محمد بدرالدین حلبی کی نصوص الکلم کے ساتھ جو فصوص الحکم شائع ہوئی ہے اُس میں فارابی کا یہ قول درج ہے "قد یتعدی تاثیرھا ای الروح القدسیہ) من بدنھا الی اجسام العالم وما فیھا۔ ابوالنظر رضوی

پہنچ چکی ہے کہ نفسِ ناطقہ کی فاعلیت، توجہ قلبی، نسبت کے روحانی اثر اور قوت متخیلہ یا ارادیہ کی جذب و کشش، گوناگوں استعدادات کے لحاظ سے کم و بیش کائناتِ ارضی و سماوی کو مسخر کرسکنے کی طاقت رکھتی ہے اور اتنی زبردست طاقت کہ طاغوتی فریب کاریاں آج تک ابدی محاذ پر کبھی کامیاب نہ ہوسکیں "الحق یعلوا ولا یعلیٰ" اور "جاء الحق وزھق الباطل" کا مطلب یہی ہے کہ جب موانعات کے پردے چاک کرتا ہوا حق مقابلہ پر آجائے تو ضمنی شکست و فتح کی شعبدہ بازیوں کو چھوڑتے ہوئے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حق کے عزم و نفوذ کا جواب باطل پیش کرسکا ہو۔ انسانی فطرت کا طبعی تقاضا حقائق کی پذیرائی ہے خواہ اُس کے اکتسابی اضمحلالات ضمیر کو فریب و مغالطہ میں مبتلا رکھنے کے لیے کتنا ہی مجبور کرتے رہیں۔ سچائی فطرتِ انسانی کا خمیر ہے اور اس لیے اپنے ہی دل کی آواز، اپنی ہی نبض کے ترعات اور اپنی ہی دنیا کے مناظر و مرایا دیکھنے سے اُس کے سمع و بصر انکار کی راہ نہیں پاسکتے۔

جہاد و انقلاب اس ہی کے پہلو بہ پہلو ایک دوسری حقیقت کو بھی جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ پیغمبرانہ اور مجددانہ تخییل نہ ہونے کی صورت میں تبلیغ کی کامیابی تاریک ترین ماحول کے زبردست دباؤ سے اکثر مشتبہ، محدود اور تشنۂ تکمیل بھی رہ جاتی ہے۔ تبلیغ کی کامیابی کے لیے ماحول کے دباؤ کی ڈگریاں مقرر ہیں اگر ماحولی دباؤ اُس مخصوص ڈگری سے زیادہ بڑھ جائے تو تبلیغ کے ساتھ جو صرف مدافعت کی راہ تھی ہجوم اور جارحانہ جنگ بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ تبلیغ بھی ایک جنگ ہے۔ مغربی حکومتیں جب کبھی جنگ کا آغاز کرتی ہیں تو پروپیگنڈے کی زہریلی گیس سے فضا کو بھر دیا اور پوری قوت کے ساتھ وجدان و شعور کی ہر استعداد کو مجروح کردیا جاتا ہے لیکن تبلیغ کے اثر و نفوذ کا اعتراف کرنے کے باوجود یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ ایک وقت ایسا بھی آسکتا ہے کہ ماحول کا دباؤ اتنا شدید ہوگیا ہو کہ اُس کا اثر و نفوذ کم کرنے، اُس کی طوفاں بدوش موجوں کو واپس کرنے اور دل کی آنکھوں سے پردہ اُٹھا دینے کے لیے خود پردہ ہی کو چاک کر دینے اور اُس کے ایک ایک تار و پود کو بکھیر دینے کا "تہیۂ طوفان" کرلیا

کر لیا جائے۔ تبلیغ، ترکِ موالات، عدم تشدد، اور ہجرت اپنی اپنی جگہ یقیناً ایک طاقت ہیں اور ایک مستقل فلسفۂ حیات۔ مگر جب دشمنِ حیات، ماحول کی طاقت مدافعانہ کوشش سے شکست نہ ہو سکے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمت مردانہ کو ایک قدم اور آگے بڑھانے کی اجازت نہ دی جائے۔ اصل مدعا ماحول کو درست کرنا اور اُس کے گوناگوں پہلوؤں کو تاریکی سے روشنی میں لانا ہے۔ ہر وہ چیز جو اس مقصد کو انسانی اخلاق کے عام مطالبات اور اُس کی متعارف ذمہ داریاں ملحوظ رکھتے ہوئے پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتی ہو۔ اُس کے سراپا خیر و برکت ہونے میں شک کرنا گناہ ہوگا۔

انسانیت کی تکمیل اور اُس کے ارتقا میں سدِ راہ ہونے والے قوانین خواہ کتنے ہی دلفریب، حیات اندوز اور ملکوتی کیوں نہ معلوم ہوں اور خواہ اُن کا نام محبت، اہنسا اور امن و سلامتی کا عالمگیر تصور ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے۔ اُنہیں ذہنی مغالطات اور غیر فطری رجحانات سے زیادہ وقعت نہیں دی جا سکتی۔ اگر حیاتِ ملی کے قبائح اصلاح و ترمیم کی حد سے گذر جائیں تو انقلاب ہی موت کو زندگی کے سانچہ میں ڈھال سکتا ہے۔ طرزِ تعمیر، طرزِ رہائش (معاشرت) نسلی رسم و رواج، موروثی اخلاق و ملکات (جن کو میں نے ماحولِ ماضی سے تعبیر کیا تھا) اور گرد و پیش کی ہر اقلیدسی شکل و ہیئت سے وابستگی جب ہر اصلاحی قدم کے نقوش بار بار مٹا رہی ہو تو اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہ جاتا کہ ماحول کے ہر تصور، ہر جذبہ، ہر محرک اور ہر عمرانی نظریہ کو تخریب و شکستگی کے سپرد کر دیا جائے اس ہی کا نام قرآن و سنت کی اصطلاح میں "جہاد" ہے۔ جہاد اگرچہ اصلاحی، تعمیری اور تبلیغی مشاغل پر بھی بولا جاتا اور بولا جا سکتا ہے۔ مگر صحیح ترین معنی میں جہادِ شرعی اُس ہی کوشش کو کہہ سکتے ہیں جو مصالحت و مفاہمت سے مایوس ہو کر ماحول کی ہر قوت شکست کر دینے کا اعلان کر رہی ہو جہاد، تبلیغ کی ارتقا پذیر فتہ نوعیت کا دوسرا نام ہے۔ اگرچہ جہاد کو اُس ہی طرح تبلیغ کے نام سے یاد کیا جا سکتا ہے جس طرح انسان کو حیوان کہہ سکنے کی اجازت ہے لیکن انسانیت کا "خلقِ آخر" اور اُس کا

تکوینی ارتقاء انسان کو حیوانیت سے جس حد تک بالاتر، مختلف اور ممتاز کر رہا ہے۔ اُس ہی طرح تبلیغ وجہاد کے امتیازات کو بھی سمجھنا چاہیے۔ جہاد میں جان کی بازی سب سے پہلے لگانا پڑتی ہے اور تبلیغ میں سب سے آخری منزل پر تبلیغ زبان سے ہوتی ہے اور جہاد تلوار سے کیا جاتا ہے۔ تبلیغ کا قلم روشنائی سے لکھتا ہے اور جہاد کا قلم خونِ گرم کی سُرخی سے، تبلیغ کی رفتار سست ہوتی ہے اور جہاد کی تیز بلکہ تیز تر ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا!

ماحول کے دباؤ کی ڈگریاں جب تاریکی اور مجبوری کا ٹمپریچر بہت زیادہ بڑھا دیتی ہیں تو جہاد، انقلاب اور ماحول کو شکست دینے کا عزم ہی تنزل سے ترقی تک، غلامی سے آزادی تک اور شقاوت سے سعادت تک لے جا سکتا ہے۔ ماحول کی ظلمت اور تہ بر تہ ظلمتِ انسانی عقل وبصیرت پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ اور کوئی شخص نہ اسبابِ تنزل کو سمجھ سکتا ہے نہ ذرائع ترقی سے کام لے سکنے کی ہمت اُس کے اندر زندہ رہتی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ یاس وحزن کی تصویر ہو کر ہمیشہ کے لیے ذلت، ناکامی اور موت کی نیند سو جانے ہی میں سکون، لذت اور فلاح وبہبود محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ عذاب ومرگ کا شیطان جب کسی قوم پر پوری طرح مسلط ہو جائے تو اُس سے چھٹکارا پا سکنے کی راہ جہاد وانقلاب کے سوا دوسری نہیں ہو سکتی اور وہ بھی مکمل انقلاب[1]

جاھدوا فی سبیل اللہ حق جھادہ "خدا کے راستہ میں کوشش کرو جتنی کر سکتے ہو"

شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک مکاشفہ میں ہمارے داعیٔ انقلاب محمد عربی (روحی فداہ) سے

[1] اس ہی لیے نوآبادیاتی حکومت مسلمانوں کے لیے مفید نہیں ہو سکتی اور اگر یہ ارتقائی مراحل طے کرنا ضروری ہوں تو میرے نزدیک زندگی کے ہر پہلو کا جائزہ لیتے ہوئے اختیارات کا تعین اور حقوق کا تحفظ فرقہ پرستی یا رجعت پسندی کی تنگ ذہنیت سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ اختیارات وتحفظات سے صرفِ نظر کرنا اُتنی ہی بڑی حماقت ہے جتنا بڑا گناہ غلامی کے طوق کو گوارا کر لینا کیونکہ اس طرح تبلیغ وانقلاب کی ہر استعداد غیر محسوس طور پر رفتہ رفتہ سلب ہو جائیگی۔
ابو النظر رضوی

اُمتِ مرحومہ کی فلاح و ترقی کے لیے پروگرام دریافت کیا تھا۔ جواب میں فرمایا "فکِّ کُلِّ نِظَامٍ[1]" ہراُس سعی تعمیر، ہراُس نظریۂ ارتقا، اور ہراُس نظامِ حیات کو جو مختلف اقوام و ملل اپنے اپنے سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی ماحول کے زیر اثر تیار کررہی ہیں پہلے وقفہ میں ٹھکرادو، تاکہ اسلام قوانین فطرت کا نفاذ کرسکے۔ مغالطاتِ ذہنی کا دامِ فریب، جب کبھی انقلاب کے زبردست ہاتھ سمیٹ سکنے میں کامیاب ہوگا، اُس کا نتیجہ ہمیشہ اسلام کے حق میں مفید ثابت ہوگا۔ کیونکہ کثافتوں کے زہر سے انسانی دل و دماغ کا پاک ہوجانا حقائق فطری کا پرتو قبول کرسکنے کی استعداد کو زندہ کردیگا اور استعداد کا زندہ ہوجانا ہی اسلامی تعلیمات کو تسلیم کرلینے کے واسطے کافی ہے۔ سیلاب کا جب بند ٹوٹ جائے تو کوئی طاقت اس کو اپنی روانیوں سے محروم نہیں کرسکتی" انقلاب زندہ باد" کے نعرے فضا میں بار بار گونج رہے ہیں، حیاتِ اجتماعی اُس کے بازاثر سے مدوجزر کے جھکولے کھا رہی ہے اور وہ وقت بہت قریب آگیا کہ دنیا کا ہر قانون معیشت شعلہائے انقلاب سے خاکستر ہوکر رہ جائے۔ لیکن اندیشہ ہے کہ کہیں مکمل انقلاب کی جگہ معمولی سا تغیر حاصل نہ کرلے۔ زندگی کی زندہ آرزوئیں رکھنے والی اقوام کا ناقابلِ فراموش فرض ہے کہ انقلاب کی چنگاریوں کو جتنی ہوا دیسکتے اور تیز سے تیز تر شعلوں میں تبدیل کرسکتے ہوں تبدیل کرتے چلے جائیں تاکہ کتابِ حیات کا ہر صفحہ سادہ ہوجائے اور ہر نقش حرف غلط کی طرح مٹ جائے۔

انقلاب، مجاہدین اسلام نے بھی کیا تھا اور کفر و طاغوت کی قوتیں بھی انقلاب برپا کرتی رہی ہیں۔ سید احمد شہید نے بھی ایک انقلاب کی بنیاد ڈالی اور مصطفیٰ کمال پاشا نے بھی انقلاب کے مجسمہ میں روح پھونکی۔ مگر حضرت شہید کا انقلاب صحابہ کرام کی یاد تازہ کرتا تھا اور اتاترک کا انقلاب نپولین اور ہٹلر کی۔ عرب کی تپتی ہوئی وادیوں میں بھی جمہوریت اور اشتراکیت کو زندہ کیا گیا تھا اور روس میں بھی شہنشاہیت کا بت شکست کیا گیا لیکن عرب کا انقلاب، روحانی تمدن، ملکوتی

[1] اسلام کا اقتصادی نظام۔ مصنفہ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب

اخلاق اور منہاج فطرت کی علمی وعملی ترجمانیوں کا روشن منارہ تھا اور روس کا انقلاب، مادی تمدن سیاسی اخلاق اور ہوسِ اقتدار کی تشنگی بجھانے کے لیے ملمع سازیِ فطرت کا بہترین شاہکار۔ انقلاب خود اپنی جگہ کوئی پاکیزہ حقیقت نہیں۔ یہ تاریک بھی ہوسکتا ہے اور تابناک بھی۔ انقلاب کی چمکتی ہوئی تلوار کے قبضہ پر جس نظریۂ حیات کا بھی قبضہ ہوگا، وہ ہی اُس کا خدا اور وہ ہی اُس کا کارساز ہے۔ اگر کوئی قوم چاہتی ہے کہ اُس کے نظریہ، اُس کے قانون اور اس کے اقتدار کے نیچے دنیا سانس لینے پر مجبور ہو تو اُسے انقلاب کی تلوار اپنے ہاتھ میں لینا چاہیے۔ انقلاب زندگی کے کسی ایک پہلو پر نشتر نہیں لگاتا۔ مکانوں کی طرزِ تعمیر، لباس کی قطع وبرید، علم وادب کی زبان ذہنی تصورات کا محور، معاشرت کا ضابطہ، ارتقائے روحانی کا قانون مختصر یہ کہ تخیل وحیات کا ہر سنگ وبا قوت عکس پذیر ہوتا ہے۔ انقلاب کی تلوار دوسرے کو سپرد کرکے، سپر تلاش کرتے پھرنا حیاتِ اجتماعی کی موت ہے اور قوم کی نعش کو بے گور وکفن چھوڑ دینے کے برابر۔ حیاتِ اجتماعی کا راز ہجوم میں ہے، دفاع میں نہیں۔ اور وہ مدافعت تو سپر ڈال دینے سے بھی زیادہ ذلیل ہے جو جنگ و پیکار کی ہمتِ خاراشگاف دوسرے کو خود پیش کرکے کی جارہی ہو۔ شاہین کا بازو توڑ کر کنجشک بنادینا، کنجشک کو بال وپر نہ دینے سے کہیں زیادہ گناہ ہے۔ کوئی قوم اُس وقت تک ماحول کو موزوں انقلاب کے شعلوں میں نہیں ڈھکیل سکتی۔ جب تک خود اُس کی رگ وپے میں انقلاب کا خون نہ دوڑ رہا ہو، اس ہی انقلاب کو کتابِ الہٰی نے "تغیرِ انفس" سے تعبیر کیا ہے اور یہ ہی وہ کائناتِ جہاد ہے جس کا دروازہ دعوت وتبلیغ کی کنجی سے کھولا جاتا اور ہر گوشہ "مجاہدۂ نفس" کی مشعل سے روشن کیا جاتا ہے۔

جہاد وانقلاب کی دو راہیں ہوسکتی تھیں۔ غیر الہامی نظامہائے حیات کو شکست کرنا اور الہامی نظامِ حیات کو حیاتِ ملی میں جذب کرنا۔ مجددِ انقلاب شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے دونوں

صورتوں پر وحی، کشف اور شعور و تجربہ کے تحت ایک پروگرام ترتیب دیا ہے جس کو کسی فرصت میں پیش کر سکونگا۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ اگر اس حد تک انقلاب کے امکانات نہ ہوں کہ تمام دوسرے نظریات و اصول کو شکست کیا جا سکے تو کم از کم جہاد و انقلاب کی اتنی طاقت ضرور پیدا کرنی پڑیگی جو ہر اُس طاغوتی قوت کو مفلوج کر سکے جس نے اِسلامی قوانین کا راستہ روکنے کی جرأت کی ہو اور اگر اتنی جرأت و دلیری سے بھی کام نہ لیا گیا تو کوئی تحریک خواہ کسی نام اور کسی جانب سے کیوں نہ اُٹھائی جائے وہ کہانی کے جھوٹ اور خواب کے دھوکے سے زیادہ کچھ نہیں۔ ماحول کا دباؤ جب ذرائع ترقی کے لیے سدِ سکندری، شعلہ و شراب سے معمور آرزوؤں کے لیے سمِّ قاتل، حسن و شباب کی مشاطگی کا دشمن، اور ہر گونہ قابلیت کے اُبھرنے نکھرنے اور سنور سکنے کے لیے موت کا پیغام ہو جائے تو مردہ قلوب میں حیاتِ تازہ ودیعت کر سکنے کی غرض سے انقلاب ایک نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں رہتا مگر وہ ہی انقلاب جو سیلاب کے غلط راستہ کا انتخاب کر کے موت سے مستقل عذاب کی طرف منتقل نہ کر رہا ہو۔

انقلاب بازوئے شاہین کا طلبگار ہے، گریۂ مسکین کا نہیں۔ عالمِ غیب سے حسین تمناؤں اور لطیف آرزوؤں کے عملی شکل قبول کر لینے کے انتظار سے زخمِ دل کا مرہم تیار کر سکنے کی خواہش اس لغزشِ پا کے برابر بھی وزن نہیں کی جا سکتی جو مجاہد کی ٹھوکر سے پیدا ہوتی ہے۔ .... خلافتِ الٰہیہ کے

امانتدار، اور کائناتِ ارضی کے وارثین اگر چاہتے ہیں کہ ماحول اُنہیں بال و پر کشادہ کرنے کی مہلت دے تو .... غیر فطری انقلاب کو لبیک کہنے کی بجائے اُنہیں قوانین فطرت کی صحیح ترین تعبیرات کے سایہ میں قعرِ دریا کی موجوں، کوہ آتش فشاں کے بہتے ہوئے شعلوں اور بادِ سموم کی اُٹھتی ہوئی خوفناک آندھیوں کو دعوتِ مقابلہ دینا چاہیے۔

شکستگی ماحول کے لیے انقلاب و تغیر کا آغاز کرسکنا اگرچہ قدرت کی منشاء پر موقوف ہے اور ہمیشہ موقوف رہیگا۔ لیکن آج جبکہ قدرت کا منشاء معلوم ہوچکا، انقلاب کا طوفانِ باد و آتش چاروں طرف سے اُمنڈ رہا ہے اور کوئی نوحۂ غم یا نغمۂ شادی ایسا نہیں رہا جو شعورِ انقلاب سے خالی ہو تو کیوں آپ صرف انقلاب کا رُخ تبدیل کرنے کی زحمت گوارا نہیں فرماتے؟

بازوئے شاہین کی ایک پرواز، عزم و ہمت کا ایک قدم اور ولولۂ حیات و جانبازی سے بھری ہوئی ایک آتشیں نگاہ، انقلاب کا رُخ آپ کی جانب بدل سکتی اور رواسیٔ اخلاق و یگانگت (اسلامی تعلیمات) کو ایسی محکم بنیادوں پر استوار کرسکتی ہے کہ انقلابی زلزلے اُس کو جنبش بھی نہ دے سکیں۔

حیاتِ انفرادی کے ضابطۂ ارتقاء پر فرصت کا ہر لمحہ ضائع نہ کیجیے۔ آپ ہزار طلب و تقاضہ، ہزار سفارشوں اور دستِ طلب کی درازیوں کے بعد بھی محدود، متزلزل اور استعداد فطری کے خلاف بہت تھوڑی سی دولت و عزت حاصل کرسکتے ہیں خواہ آپ کا پست تر ماحول اُس عزت کو اہمیت دینے پر مجبور کر رہا ہو۔ ربِّ کعبہ اور ربِّ محمد کی قسم! وقت کا تقاضا یہی ہے کہ "حبل اللہ" کی گرفت مضبوط ہو، سعادت و شقاوت اور نجات و ترقی کا مدار نہ اشتراکیت پر ہو نہ نازی ازم پر، اور زندگی کے لیے موت پر بیعت کی جائے۔

زندگی اجتماعیت میں ہے انفرادیت میں نہیں۔ یہ راز جس جماعت نے پالیا اُس کے نہ

"حقوق" سلب کیے جا سکتے ہیں نہ اُس کے سامنے سجدۂ نیاز سے انکار کرسکنا ممکن، ہوسکتا ہے کہ زندگی کی مجبوریاں، سارا وقت قوم کے ہاتھوں نہ فروخت کرنے دیں لیکن کیا جو کچھ بھی آپ اپنا قیمتی وقت اپنا سیم وزر، اپنی دماغی کہربائیت صرف کرسکتے اور اپنی برہنہ پائی کو دعوتِ خار اندوزی دے سکتے ہیں۔ اُس کے لیے بھی آپ اس ہی کا انتظار کرتے رہینگے کہ کوئی دعوتی ریکارڈ بھیجے یا آپ سے اُس کی بھیک مانگے۔

"اعدوا لهم ما استطعتم" کا منشا ہرگز یہ نہیں ہے کہ باندازۂ غیر آپ کو مدد کرنا چاہیے بلکہ مقصد صرف اپنے ضمیر کی آواز پر اُٹھ کھڑے ہونے سے ہے۔ اگر آپ کا فریب خوردہ ضمیر ابھی تک فرصتِ انتظار رکھتا ہے تو اُس کی متعفن نعش کو جلد دفن کردیجیے، ورنہ فضا کے زہر آلود ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ انفرادی ضمیر میں جب تک انقلابِ کروٹ نہ لے اجتماعی ضمیر کی افیون خوردگی نہیں جا سکتی۔ آپ یہ خیال نہ کیجیے کہ تنہا ہماری آواز، ہمارا ایثار اور ہمارا عمل کیا کرسکتا ہے۔ ایک آواز میں جو ضمیر کا معنوی انقلاب رکھتی ہو وہ زبردست طاقت ہے جس کا اندازہ نتائج دیکھ لینے سے پیشتر نہیں لگایا جا سکتا۔ آپ یقین کیجیے کہ نتیجہ عمل سے اور عمل اخلاقی ملکہ سے جُدا نہیں ہوسکتے۔ "ذٰلِكَ سُنَّةَ اللهِ، وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا"۔ اگر آپ کے دل میں درد ہے تو وہ عمل سے ٹپکیگا اور اگر آپ نے کوئی عمل کیا ہے تو وہ بے نتیجہ نہیں رہ سکتا نتیجہ و عمل میں آہن و مقناطیس جیسی کشش ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ نتیجہ کوئی مستقل وجود ہی نہیں رکھتا عمل[1] خود ہی عمل ہے اور خود ہی نتیجہ یہ دو جُداگانہ حقائق نہیں ہیں عمل کیجیے مگر انتظار نہ کیجیے۔ انتظار ضمیرِ انفرادی کی خمار زدگی ہے یا خواب آلودگی۔ جذبۂ انقلاب اور انتظار کے درمیان کوئی رشتہ نہیں آپ انقلاب کرسکتے ہیں یا انتظار۔ بیک کرشمہ دو کار کی منطق سے کام نہ لیجیے۔ یہ دونوں تلواریں ایک نیام میں جمع

[1] میں نے اس نظریہ پر اپنے مضمون "نظریۂ موت اور قرآن" میں تفصیلی بحث کی ہے۔

نہیں ہوسکتیں۔ انتظار کی بجائے عمل کرنے پر انقلاب اتنی جلد مجسم ہوکر آنکھوں کے سامنے آسکتا ہے کہ آپ اُس کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ مگر یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھیے کہ آج جو انقلاب بھی آئیگا وہ محنت پیشگی اور جسمانی قوتوں کو استعدادِ ذہن وفکر پر ترجیح دیتے ہوئے ہی آسکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تفہیمات الٰہیہ میں اس نکتہ کو پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے اور کئی سو برس پیشتر کہ دورِ جدید میں "ملاءِ اعلیٰ" کی مرضی یہی ہے کہ صنعت وحرفت ترقی کریں۔ جو شہنشاہیت، جمہوریت اور آمریت طبعی حدود میں بھی اشتراکیت کی اجازت نہیں دیتی۔ اُس کا اقتدار دوام وثبات سے بہرہ اندوز نہیں ہوسکتا۔ آج مصلحینِ اُمت کی تمام تر توجہ حیاتِ انفرادی اور اجتماعی کے لیے صنعت و حرفت کا تعمیری پروگرام تیار کرنے پر منعطف ہونا چاہیے ورنہ ترکستان کا راستہ کعبۂ مقصود تک نہ لیجا سکیگا۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ ہماری کوئی جماعت، کوئی انجمن، اور کوئی شخصیت ہوا کے اس رُخ پر نہیں لیجا رہی اور لے جارہے ہیں تو وہ جنہیں دودھ کے ساتھ زہر دینے کا شوق ہے دودھ الگ زہر الگ کرنے کی اجازت نہیں۔ لہذا یا تو دودھ کے ساتھ زہر پینا پڑ رہا ہے، یا بھوک کی وجہ سے چہرہ تک نڈھال ہے، کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ ع

دوگونہ رنج وعذاب است جانِ مجنوں را ۔۔۔ بلائے صحبتِ لیلیٰ وفرقتِ لیلیٰ

کاش کوئی ایسی جماعت پیدا ہوتی جو ماحول کو درست کرے اور حقیقت ومغالطہ کو الگ الگ فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔

خیر ایسا ہو یا نہ ہو، ماحول کی درستگی، دعوت وتبلیغ، مجاہداتِ نفس اور انقلاب وجہاد میں ہی مضمر ہے۔ یہ منازلِ ثلاثہ ہی موروثی اخلاق، لباس ومکانات، اخلاق اور اقتصاد وسیاست کی اثر اندازیوں کو دور کرکے موت سے زندگی کی تخلیق کرسکتے ہیں اور جب اس سعی وعمل کے نتائج آئینِ فطرت کے عملی نفاذ تک پہنچا دیں تو درستگی ماحول اور تخیلی مقناطیسیت سے برمحل کام لے سکتے

کے لیے گناہ اور سزا کے توازن کو "عدلِ محسوس" سے قائم رکھنا چاہیے اور زندگی کے ہر پہلو میں۔ تاکہ ثبات و دوام اور خلود و استقامت سے حیاتِ عمرانی، پارۂ خلد بریں ہو جائے۔ اخلاقی بنیادوں کو متزلزل، انفرادی ملکیت کو سلب، ذہنی اور جسمانی امتیازات کو فنا اور مزدور طبقہ کے نام پر امرا کو قتل کرنا۔ ردِّ عمل کے قانون سے پاش پاش ہو کر رہیگا مخصوص جغرافی حالات اور ہنگامی سیاسی پیچیدگیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی نظریۂ اشتراکیت کو کامیاب بنالینا اُس کے محاسنِ فطرت کو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہو سکتا۔ تاریخ کے انقلابات نے بارہا ایسے غرور کو شکست اور ایسی فرعونیت کو غرق ہوتے دیکھا ہے۔ جب تک کتابِ فطرت کی تعلیم کے مطابق اسباق یاد نہ کرلئے جائینگے ہر شکست کے بعد دوبارہ فتح پانے کی اُمید نہیں قائم کی جاسکتی۔ جس نقش میں مٹ کر بھی اُبھرنے کی طاقت ہو وہی نقش جریدۂ عالم پر ثبت ہونے کے لائق ہے ابھر کر مٹ جانے والا نقش نہیں۔ زندگی کی بہترین شاہراہ اگر ہے تو یہی ہے ورنہ ہر دوسرا راستہ موت، عذاب اور تاریکیوں میں ہی مسلسل گم کرتا رہیگا۔ فَاعْتَبِرُوا یٰاُولِی الْاَبْصَار۔